"تعلیم ہی سب کچھ ہے"

محمد اجمل ——— ترجمہ ——— فضل احمد شمسی

ہمیں مسرت ہے کہ ہم ملک کے معروف صوفی منش ماہرِ تعلیم ڈاکٹر محمد اجمل کے ایک انگریزی مضمون کا یہاں ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ مضمون اسلام آباد میں سعودی عرب کے فرمانروا شاہ خالد بن عبدالعزیز کی آمد پر پاکستانی بچوں کے ایک شاندار ورزشی مظاہرے سے متاثر ہو کر لکھا تھا۔

فکر و عمل کی تاریخ میں ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے بچوں سے اغماض برتا ہے انہیں التفات کے قابل نہیں جانا۔ ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے ان کی بے حد قدر و منزلت کی ہے یہ ایک تقریباً ناقابل تردید کلیہ بنایا جا سکتا ہے کہ وہ تمام تہذیبیں جنہوں نے بچوں کو مناسب وقعت نہیں دی یا ان کی اصل رمثل اعلٰی (Archetype) دبا دینے کی کوشش کی انہیں جلد ہی محسوس ہو گیا کہ وہ ایک پراسرار تباہ کن عمل سے دوچار ہو چکے ہیں۔ اس مظاہرے میں بچے ہمارے حال کی ایک زندہ معاشرتی حقیقت بن گئے۔ ماضی اور مستقبل حال میں یکجا ہو گئے اور ابعادِ ثلاثہ ایک متوازن بیک وقتی میں باہم دھڑک اٹھے بچے حرکات تخلیق کر رہے تھے ایسی ناقابل فراموش حرکات جو معاشرتی اور تاریخی شعور کو مالا مال کر رہی تھیں۔

ہم یہ کہتے رہے ہیں کہ تعلیمی اداروں کو معاشرتی تغیر کے عامل بننا چاہیئے۔ انہیں ہمارے معاشرے کا محض عکس بنے نہیں رہنا چاہیئے۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے ہمارے اسکول اور کالج تغیر کو بروئے

کارلانے کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔ ذمہ داری ایک بوجھ کے معانی میں نہیں جو خارجی دباؤ کے تحت ایک فرض بن جائے بلکہ رد عمل کی صلاحیت کے معنی میں اور شعور کو آزادی بخشتے ہیں تاکہ وہ ایک آزاد اور بے ساختہ معاشرتی اقدام کر سکے۔

سکول کے بچوں کا سکول سے الگ غیر رسمی طرز کے درس و تدریس کے کار پرداز ہونا ایک جدلیاتی عمل ہے، شخصیت کی تعمیر کیلئے یہ ایک بے در و دیوار اور کھلا دبستان ہے۔ "کلبیوں" نے اس مظاہرے کی ناکامی کی پیشگوئی کی تھی، رجعت پسندوں کو اس کی کامیابی کے متعلق خدشات تھے۔ مگر جب یہ سب کچھ ہو گیا تو سب نے اسے ایک معجزہ جانا۔ یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر قوم بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ اس کی آگہی معدودے چند کے سوا کسی کو نہیں تھی کہ یہ سب کچھ کر گزرنے کی اہلیت ہم میں موجود ہے۔ یا یہ کہ ہمارے بچے اس قلیل مدت میں وہ توفیق، لگن، ہم آہنگی اور یکجہتی حاصل کر پائیں گے جس کا مظاہرہ انہوں نے اسلام آباد میں ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء کے تاریخی جلسے میں کیا۔

کلاس روم کی دیواریں اگر ناقابل نفوذ ہوں تو وہ بچے کی سپرٹ کو سرد کر دیتی ہیں۔ اس کی ذہانت اور قوت تخلیق کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ اور اسے ایک خوفزدہ شخصیت بنا دیتی ہیں۔ اگر یہی دیواریں ادراک کے لیے دروازے بن جائیں جو معاشرتی اور سیاسی حقائق کی طرف وا ہوں تو بچوں میں مقصد و معنویت کا احساس، موزونیت کا شعور، عظمت و تقدیس کا تجربہ اور حب الوطنی کا ادراک پیدا ہو گا۔

کھلے دریچے۔

درسی کتب کو یاد کرتے رہنا بچے کو تنگ و تاریک محدودیت میں سکیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یہ اس کے وظائف کو مستبدانہ اور جابرانہ طور پر غیر وسیع کر دیتا ہے۔ اور اس طرح اس میں آزردگی، احساس محرومی، گلے شکوے اور رنجش پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے اوہام اور زیادہ بھونڈے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ ان کی تسکین نیا بتاً اور تخریبی طور پر کرے۔ تمام سکولوں میں کھڑکیاں اور دروازے کھلے ہونے چاہئیں۔ تاکہ بچے جو کچھ دیکھیں یا سیکھیں اس کی باہر کی دنیا میں آزمائش کر سکیں۔ سکولوں کو اب جبر کا آلہ کار نہیں رہنا چاہیئے۔ ان کا بیرونی دنیا سے مستقل تعلق ہونا چاہیئے مستقل اور فعال۔ یہ کارکردگی ایسے کلاس روم کے ماحول پر اثر انداز ہو گی۔ طلبا کی ایک سرفراز کر دینے والے تجربے میں

شرکت ان کے سکولوں سے وابستگی کو زیادہ بامقصد بنا دے گی۔ یہ سکول سے باہر کی دنیا ہے جو سکول کے وجود کو معنی خیز بنا دیتی ہے۔ دنیا نے جو فرائض اور مقاصد متعین کئے ہیں وہ ایک تعلیمی ادارے کے لئے چیلنج کا روپ دھار لیتے ہیں۔ نہ تو رہبانیت ممکن ہے نہ تنہائی کے جزیرے اور نہ ہی گریز و فرار کے راستے۔ شخصیت کے نشوونما اور روحانی دولت کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انسان ایک اخلاقی نظام کا پابند ہو۔

شعور۔

یہ امر عرصے سے مفکرین کے درمیان زیر بحث ہے کہ تعلیم کا در اصل مقصد کیا ہے؟ کیا ہم ایک بہتر طرز زندگی کی تخلیق چاہتے ہیں۔ یا ہمارے پاس احکام کا کوئی منشور موجود ہے جس پر ہم طلباء سے عمل درآمد کرانا چاہتے ہیں۔ کیا ہم ان کی قوت ارادی کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں تاکہ وہ اہلیت کے ساتھ کام کرنے کے قابل بن جائیں یا ہم آگاہی کی دمک میں مکمل شخصیت کا ارتقا چاہتے ہیں۔ گوئٹے (Goethe) اور شلر کے درمیان مشہور خط و کتابت میں ان نکات پر بھی بحث ہوئی ہے۔ شلر (Schiller) کا انداز فکر جمالیاتی تھا۔ وہ تعلیم سے محض شخصیت کی دلربائی اور حسن چاہتا تھا۔ گوئٹے، جسے خود اپنی روح کے اندر کے اہرمن کا سامنا کرنا پڑا تھا، ایک تعلیم یافتہ شخص سے حسن اور قوت ارادی کے امتزاج کا طالب تھا۔ اصلی اہمیت "کیسے" کی ہے۔ صرف "کیا" کی نہیں۔ "میں کیا کہہ رہا ہوں" کی نسبت "میں کیسے کہہ رہا ہوں" زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اگر دوران گفتگو میں لڑکھڑا جاؤں تو دھیما لہجہ اور دبے ہوئے "اگر" "اور" "مگر" زور دار آواز میں ادا کئے ہوئے الفاظ سے عموماً زیادہ معنی خیز ہوتے ہیں۔ "کیا" اسی وقت اہمیت حاصل کر سکتا ہے جب اسے ذاتی سیاق و سباق سے حاصل کیا جائے۔ وہ لوگ جو "کیسے" پر زور دیتے ہیں، غیر ضروری "کیوں" کے خلاف ہیں۔

کیوں؟ کیوں؟ کی تکرار ایک اچھا خاصا اذیت دہ کھیل ہے۔ "کیوں" کا عام طور پر ناک میں دم کر دینے والا پہلو ہوتا ہے۔ یہ دوسرے کو چیر پھاڑ کر رکھ دینے کے لئے ہوتا ہے۔ سقراط نے بہت سارے "کیوں" کے سوالات شائد اس لئے کئے کہ تمام مصنوعی سوالات کے بالآخر لایعنی ہونے کو ظاہر کیا جا سکے۔ کوئی تعجب نہیں کہ سقراط اسی لئے افلاطون کی "جمہوریت" میں سامعین کے سامنے اصول ہی پیش کرتا ہے۔ جمہوریت میں "کیوں" کے تباہ کن دباؤ کا ڈنگ باقی نہیں رہا۔ تمام حقیقی "کیوں" کو کنٹرول "کیسے" میں

جلا جا سکتا ہے۔

تعلیم کے ذریعے ہم ایک ایسا طرزِ زندگی چاہتے ہیں جو تنقیدی اور تخلیقی شعور سے منور ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچوں میں عزتِ نفس، خود مختاری اور خود اعتمادی ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اپنی صلاحیتوں اور رجحانات سے پیدا داروں کی تمدکر سکیں۔ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ میلاناتِ طبع کی ترویج کرکے بچوں میں مسرت کا احساس کرنے اور تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنے کی صلاحیت پیدا کرکے ایک بھرپور زندگی گزارنے کا جذبہ بیدار کردے۔ محض کارآمد چیزوں پر توجہ مرکوز کر دینے سے طرزِ زندگی غیر متبدل یکسانیت میں مقید ہو کر رہ جائے گا۔ صرف کارآمد کے سیکھنے کی طرف توجہ دینے سے بنیادی انسانی اقدار کا احساس ختم ہو سکتا ہے۔ افادیت کو ابدی اقدار کے احساس کے تابع کرنا ضروری ہے تاکہ شخصیت کے اندر موجود تضادات اور مزاحمتیں تحلیل ہو جائیں۔

افادیت اور قدرِ مبادلہ، طرزِ زندگی اور مضبوط عزم، کام اور کھیل کی تقسیم سے ماورا ہونا ہے۔ اور ضروری ہے کہ نئے امتزاجات تیار کئے جائیں تاکہ ترقی ممکن ہو سکے۔

یہ مظاہرہ اس تقسیم کو ختم کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اس میں حصہ لینے والے بچے بیک وقت سیکھ اور کھیل رہے تھے۔ وہ اپنی قوتِ ارادی استعمال کر رہے تھے۔ اور ایک طرز کی بنیاد ڈال رہے تھے۔ انہوں نے اس بات کا مظاہرہ کیا کہ اجتماعی منصوبے تفریح مہیا کر سکتے ہیں اور ایک اجتماعی جدوجہد میں حصہ لینا جوش آفریں اور خوشگوار ہو سکتا ہے۔ انہوں نے ہمارے سکولوں کے نظام کے لئے ایک چیلنج پیش کیا اور غیر رسمی تعلیم میں ہمیں ایک سبق سکھایا۔

نئے تصورات

جب یہ مظاہرہ ایک تحریک کی حیثیت حاصل کرے گا وہ حجم اور تعداد میں بڑھنا شروع ہو گا تو بہت ممکن ہے کہ اختراعات ظہور میں آئیں اور نئی سمتیں نکلیں تخلیقی اسلوب اپنی تکمیل کے لئے نئی شکلیں ڈھونڈ نکالے گا۔ ہماری شعوری شخصیت کا جوہر تیزی سے بدل رہا ہے۔ اب تک نظرانداز کئے گئے پہلو اپنی شمولیت اور تکمیل کے لئے توجہ کے طالب ہیں۔ جب مزید لوگ اس میں شامل ہو جائیں گے تو نئے تصورات سامنے آئیں گے اور تازہ بہ تازہ مطابقت گوناگوں آرٹ فارم کو منظرِ عام پر لائیں گی۔

اس مظاہرے کو جاری اور وسیع ہوتے رہنا چاہیے تاکہ سارا ملک اس میں شامل ہو جائے تربیت پانے والوں سے توقع کی جاتی ہے کہ جب وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں تو دوسروں کو بھی تربیت دیں اور ان کی رہنمائی کریں۔ اور اس طرح آئندہ نسلوں کو تعلیم دینے میں ہاتھ بٹائیں۔

ایک اجلاس کے خاتمے پر جب اجتماعی، جسمانی مظاہرے کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں تو سعودی وفد کے ایک رکن میری طرف مڑے اور کہا،
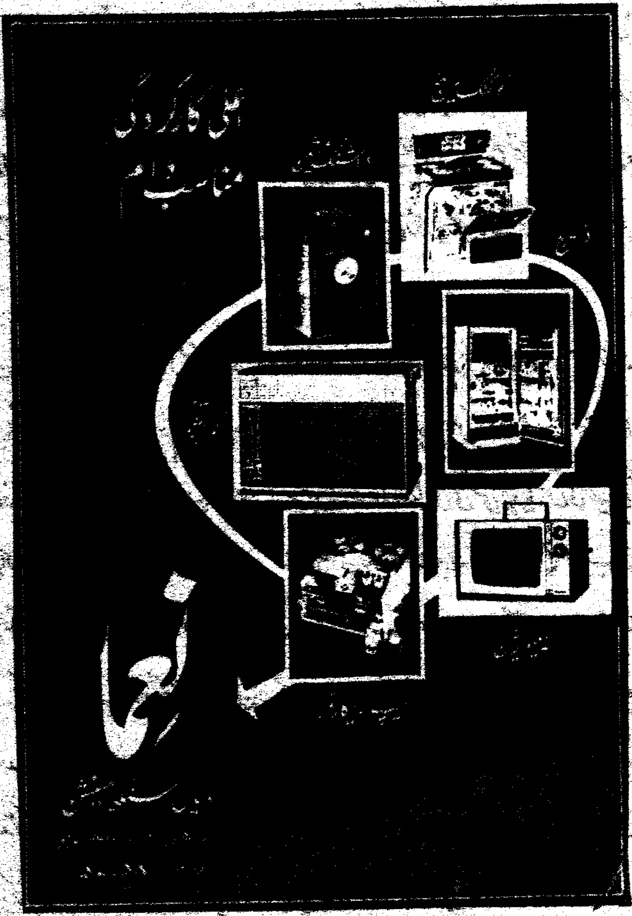
"تعلیم ہی سب کچھ ہے"